OPEN ACCESS
AL-EHSAN
ISSN: 2410-1834
www.alehsan.gcuf.edu.pk
PP: 97-105

پشتو صوفی شاعر عبدالرحمٰن بابا کی شاعری میں امن، محبت اور باہمی ہم آہنگی کے تصورات

Concept of Peace, Love and Harmony in the Poetry of Pashto Sufi Poet Abdul Rehman Baba

Dr. Tariq Mehmood Hashmi

Associate Professor Department of Urdu G.C University, Faisalabad

Abstract

Rehman Baba is a renowned sufi poet and a classical figure of Pashto literature. He along with his contemporary Khushhal Khan Khatak are most popular among the pashtuns of Pakistan as well as Afghanistan. His poetry expresses a peaceful mystical side of local culture which is becoming increasingly threatened by less tolerant interpretations of religion. In spite of other pashtun poets, Rehman baba rejects any concept of tribal superiority or inferiority and delivers an ideology of equality among human being. He is a great critic of moral decline of his age and uses his poetical intellect for reformation of society, especially for peace and hormony.

Keywords: Renowned Sufi, Critic, Classical Figure, Literature, Contemporary, Mystical, Interpretations, Hormony.

سترھویں صدی کے نصف آخر میں پشتون ثقافت، جذب و مستی سے معمور ایک ایسے عندلیبِ خوش نوا سے آشنا ہوئی، جس کے نغموں میں باہمی امن و محبت اور اخلاقی اقدار کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ ایک ایسے صوفی منش اور درویش شاعر کا کلام مقبولِ خاص و عام ہوا۔ جس نے تصوف کے فلسفیانہ مباحث یا مکاں تا لامکاں کائنات کی ماہیت میں اپنی دلچسپی ظاہر کرنے کے بجائے

اس کائناتِ ہست وبود میں آباد انسان اور اُس کے اُن رویوں پر اپنی توجہ صرف کی، جس سے محبت کے سلوکِ باہمی اور رواداری کو فروغ نصیب ہو۔

عبد الرحمٰن بابا، پشتو شاعری کے عظیم کلاسیک اور خوشحال خان خٹک کے معاصر ہیں۔ لیکن دونوں شعرا اپنے مزاج اور افتادِ طبع کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف رویہّ رکھتے ہیں۔ خوشحال خان خٹک کے ہاں مبارزت کے مضامین اور رزمیہ آہنگ ہے جبکہ رحمٰن بابا صوفی منش ہیں اور اُن کے ہاں ایسے افکار کی پیشکش ہے جو انسان کو روحانی اور اخلاقی سطح پر رفعت بخشتے ہیں۔

رحمٰن بابا کے خاندانی پس منظر کو دیکھا جائے تو آپ کا تعلق مہمند قبیلے کی شاخ غوریہ خیل سے ہے۔ اِن کے آباواجداد قندھار سے ہجرت کر کے پشاور آئے۔ آپ پشاور ہی کے نواح میں ایک گاؤں بہادر کلے میں ۱۶۵۰ میں پیدا ہوئے، جبکہ آپ کا انتقال ۱۷۱۵ میں ہوا اور آپ کا مزار بہادر کلے میں مرجع خلائق ہے۔

آپ کا دیوان پہلی بار ۱۸۶۰ء میں باز محمد قندھاری نے مرتب کیا اور یہ مطبع محمدی سے شائع ہوا۔ جبکہ ۱۸۶۴ء میں دارالمعمورہ بمبئی سے دوسری بار منظرِ عام پر آیا۔ ۱۸۷۷ء میں ایک انگریز مشنری T.P.Hclghes نے دیوان رحمٰن بابا مرتب کیا اور اسی برس مولوی احمد نے دیوانِ رحمٰن بابا کا ایک نسخہ شائع کیا جو مکمل خیال جاتا ہے۔

۱۹۸۵ء میں دوست محمد کامل اور قلندر مند نے بھی آپ کا دیوان مرتب کیا جبکہ ۲۰۰۵ء میں بعض نو دریافت غزلوں اور حواشی کے ساتھ حنیف خلیل نے تدوین نو کی اور اسے دانش کتاب گھر، پشاور نے شائع کیا۔

آپ کے کلام کے قلمی نسخے دنیا کے اہم کتب خانوں میں موجود ہیں، جن میں برٹش لائبریری، لندن.ببلیو تھک نیشنل لائبریری، پیرس، جان ریلنڈ لائبریری مانچسٹر بودلین لائبریری، آکسفورڈ اور یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ قابلِ ذکر ہیں۔

آپ کا کلام کلّی اور جزوی طور پر مختلف مقامی اور بین الاقوامی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس سلسلے میں بعض غزلوں کا اولین قابلِ ذکر ترجمہ ۱۸۲۹ء میں پروفیسر ڈورن کا ہے جو اُن کی کتاب An Anthology of world poetry میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ انہی غزلوں کا بعد ۱۸۳۱ء میں پروفیسر موصوف نے جرمن زبان میں کیا۔ ۱۸۳۸ء میں منشی موہن لال نے آپ کا کلام

کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ ۲۰۰۵ء میں رابرٹ سیمپسن نے بھی کلام رحمٰن کا انگریزی میں ترجمہ کیا جبکہ ۲۰۱۵ء میں گل خان نے رحمٰن بابا کے کلام کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔

مذکورہ تراجم کے علاوہ آپ کے کلام کے بعض منظوم اردو تراجم بھی ہوئے، جن میں اولین قابلِ ذکر ترجمہ حمزہ خان شنواری کا ہے جو ۱۹۶۳ء میں پشتو اکیڈمی پشاور سے شائع ہوا۔ دوسرا ترجمہ محمد زمان مضطر نے کیا جو "مرآۃ الرحمٰن" کے عنوان سے بزمِ ریاض سخن اوگی سے ۱۹۹۳ء میں شائع ہوا۔ آپ کے کلام کا ایک اور منظوم اردو ترجمہ پروفیسر طٰہٰ خان نے کیا جو ۲۰۰۳ء میں "متاعِ فقیر" کے عنوان سے جزوی طور پر منظرِ عام پر آیا جبکہ ۲۰۰۷ء میں پورا دیوان شائع ہوا۔ رحمٰن بابا کے کلام کا ایک منظوم پنجابی ترجمہ بھی ہوا ہے جو الطاف پرواز نے کیا ہے۔

پشتو شاعری میں رحمٰن بابا کی شناخت ایک صوفی شاعر کے طور پر ہے اور اُن کے کلام کو اس زاویے سے گریز کرتے ہوئے دیکھا بھی نہیں گیا۔ اہل نقد و نظر نے اُن کے کلام کے مطالعے سے یہی تاثر قائم کیا ہے کہ اُن کا کلام صوفیانہ مضامین کا آئینہ ہے اور بقول حمزہ خان شنواری:

> "اگر ہم رحمٰن بابا کی شاعری سے تصوف سے متعلق حصہ نکال دیں تو رحمٰن بابا کے کلام کی زکوٰۃ بھی ہاتھ نہیں لگے گی۔ اس کا پورا کلام قریب قریب صوفیانہ افکار کا آئینہ ہے اور ایک نقاد اور مبصر کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ اس پہلو پر زیادہ سے زیادہ روشنی ڈالے۔"(۱)

لیکن یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اُن کے ہاں تصوف کی نوعیت کیا ہے؟ اور اُن کی تخلیقی توجہ کس نوع کے مضامین کی طرف ہے؟ نیز وہ تصوف کے کس سلسلے یا عقیدے سے وابستہ تھے؟

اس سلسلے میں ایک ضروری بات تو یہ قابلِ ذکر ہے کہ اہلِ تحقیق اس نتیجے پر نہیں پہنچ سکے کہ وہ صوفیا کے کس سلسلے سے منسلک تھے، بعض کے نزدیک وہ نقشبندی تھے، بعض انھیں چشتیہ سلسلے سے وابستہ قرار دیتے ہیں تو بعض دیگر اہلِ تحقیق کا خیال ہے کہ وہ قادری تھے۔ رحمٰن بابا کے کلام میں کوئی ایسی داخلی شہادت بھی نظر نہیں آتی جس سے مذکورہ مسئلے کا کوئی واضح حل سامنے آسکے۔

ایک اور پہلو جس پر سوال اٹھایا جاتا ہے کہ وہ تصوف میں وحدۃ الوجودی تصور کے قائل تھے یا وحدۃ الشہودی تصور سے تعلق رکھتے تھے۔ اگرچہ پشتون ادب و ثقافت میں روحانی تحریک کے

اثرات ہمہ گیر ہیں جس سے وابستہ صوفیا وحدۃ الوجودی تصور کے قائل تھے لیکن رحمٰن بابا کے ہاں اس حوالے سے ایسے فلسفیانہ اشعار کم ہی نظر آتے ہیں جن سے اس امر کا تعین کیا جا سکے کہ اُن کا اس سلسلے میں عقیدہ کیا تھا؟ یہ بھی ممکن ہے کہ رحمٰن بابا نے اسی نوع کے سوالات یا فکری عناصر میں کوئی شعوری دلچسپی ظاہر نہ کی ہو اور نہ ہی ان افکار کو بطور شعری موضوع کے اختیار کرنے پر غور کیا ہو۔ جن اہل دانش نے اُن کے وحدۃ الوجودی یا الشھودی ہونے کے تصور کے تعین کے لیے اُن کے اشعار سے کوئی داخلی شہادت تلاش کرنے کی کوشش کی ہے، تو انھیں بطور مثال بہت ہی کم مواد دستیاب ہوا ہے۔ اس تناظر میں راج ولی شاہ خٹک نے یہ نکتہ بجا طور پر اٹھایا ہے کہ:

> "تصوف محض اِن دو نظریوں تک محدود نہیں کی جا سکتی۔ اس لیے کہ اسلامی تصوف کی اور بھی بہت سی تعریفیں کی جاتی ہیں جو ان فلسفیانہ گہرائیوں کے علاوہ بھی واضح مفہوم رکھتی ہیں۔ اسلامی تصوف میں زہد اور عشق وہ صفات ہیں جو ایک سالک کو حقیقت تک پہنچاتی ہیں اور سب سے بڑھ کر عشق وہ باکمال صفت ہے جو انسان کو عرش کی بلندی تک لے جاتی ہے۔ رحمٰن بابا کے تصوف میں عشق کو ایک نمایاں حیثیت حاصل ہے یا پھر اسلامی تصوف کے اخلاقی نظام مثلاً احسان، نیکی و بدی، خیر و شر، اچھے یا برے کی تمیز پر زور دیا گیا ہے۔"(۲)

رحمٰن بابا کے ہاں تصورِ عشق کی کئی ایک جہات ہیں۔ وہ عشق کو اصل حیات قرار دیتے ہوئے اسے انسان بلکہ انسانیت کو معراج قرار دیتے ہیں۔ اسی تصور کی بنیاد پر وہ عشق کو مذہب سے برتر قرار دیتے ہوئے بین السطور ایک بین المذاہب ہم آہنگی کا نظریہ پیش کرتے ہیں۔ وہ مکتب و مدرسہ میں تشکیل پانے والے مذہب کے کسی ایسے اس تصور کو تسلیم نہیں کرتے جو بنی نوع انسانیت کو تقسیم کرتا ہے۔ وہ انسان کو پیغامِ عشق دیتے ہیں جو انھیں علیحدگی کے بجائے شیرازہ بندی کا کام کرتا ہے۔ رحمٰن بابا کہتے ہیں:

مکتب حال و مذہب وائی
عشق سوا دے لہ مذہبہ

"مکتب میں تو ہیں مذہبی تعلیم کے توتے
اور عشق کو مذہب سے نہ مطلب نہ طلب وہ"(۳)

رحمٰن بابا، مذہب، قومیت، جغرافیہ یا زبان میں سے کسی بھی بنیاد پر منافرت پھیلانے کی نفی کرتے ہیں۔ ایسی اقدار یا نظریات جو انسانوں کے مابین تفریق پیدا کریں یا کسی کو دکھ دے کر اپنی زندگی میں تسکین کا سامان بہم پہنچائیں، انھیں رد کرتے ہیں۔ اُن کے نزدیک دوسروں کو زیاں سے دوچار کرنے کے ذرائع، ایک دن خود اپنے لیے ضرر رساں ہو جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

کرد گلو کڑہ چے سیمهد گلزار شی
ازغی مہ کڑہ پہ خپبو کے بہ د خار شی
"اگائے پھول تو دنیا سگل وگلزار ہوگی
جو کانٹے بوئے ,ساری زندگی پرخار ہوگی"(۴)

فی زمانہ مفادات کی عالمی جنگ نے، دنیا کو فتنہ وفساد کی نذر کر دیا ہے، اقوام اور افراد اپنے اپنے مفاد کے لیے کشت وخون کا بازار گرم کیے ہوئے ہیں۔ رحمٰن بابا کا کلام اس پس منظر میں امن و آشتی کے پیغام کے ساتھ پیغام اقوام اور افراد کو مفادات کے حصار سے باہر آزادی کا سانس لینے اور زندگی میں محبت کی مہک کا دیتا ہے۔

زہربنہ دی کہ پہ صلح پہ صلاح وی
نہ شکری فتنو او پہ غوغا
"زہر میٹھا ہے جو مل جائے بہ امن و آشتی
شہد کڑوا ہے جو ہاتھ آئے بصد شوروغا"(۵)

پشتون ثقافت میں برصغیر کی دیگر تہذیبوں کی نسبت ذات پات کے امتیاز کو کوئی اہمیت حاصل نہیں لیکن قبائل کی بنیاد پر ایک فخر وانبساط یا حشمت و جاہ کا احساس ضرور پایا جاتا ہے۔ ہر قبیلہ اپنی مخصوص روایات کی پاسداری کو اپنا فرض سمجھتا ہے اور اس سے وابستہ افراد اپنے قبیلے کی رسوم وروایات کی تشکیل و تکمیل کو اپنی انا کی تسکین کا سامان خیال کرتے ہیں۔

قبائلی افتخار کا یہ پہلو جہاں مثبت ہے، وہاں بعض حوالوں سے کچھ منفی اقدار کی بنیاد بن جاتا ہے۔ خصوصاً انا کا احساس بعض اوقات مبارزت اور تصادم کا باعث بھی بنتا ہے۔ اس تناظر میں رحمٰن بابا کی شاعری میں تصورِ عشق، قبائلی تفاخر کی بنیاد پہ جنم لینے والے انا کے احساس کی نفی کا باعث بنتا ہے۔ اُن کی غزلوں کا مطالعہ کیا جائے تو بقول اباسین یوسفزئی یہ حقیقت کھلتی ہے کہ:

”اکثر پختون شعرا کے بر عکس محبت کے دیوتا رحمٰن بابا نے انسانی شرف کو مقدم سمجھ کر قبائلی امتیازات، جغرافیائی حدود اور رنگ و نسل سے ماورا ہو کر شاعری کی ہے۔“(۶)

رحمٰن بابا کا کلام میں ہر نوع کے تعصب سے گریز کا پیغام دیا گیا ہے۔ وہ اپنی شناخت بھی کسی قبیلے کے بجائے گروہِ عشاق کے ایک فرد کے طور پر ظاہر کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

بی لہ عشقہ کہ می عیب کہ ہنر دے
مانموح کڑے دے لہ حانہ بل پیوند
زہ عاشق یم سرپکار می دے لہ عشقہ
نہ خلیل، نہ داؤد زئی یم نہ مومند

”پیشہ ہے مرا عشق ،برا ہے کہ بھلا ہے
جز عشق نہیں کوئی مرا رشتہ و پیوند
میں مستِ ازل عشق کی مٹی سے بنا ہوں
داؤدزئی ہوں ، نہ اضاخیل نہ مہمند“(۷)

رحمٰن بابا کے تصور انسان میں مساوات کو بنیادی قدر کی حیثیت حاصل ہے۔ وہ طبقاتی سماج میں انسانوں کے مابین کسی بھی نوع کی تفریق و تفاوت کی ہر سطح پر نفی کرتے ہیں۔ تمام نسلِ انسانی کو مخلوقِ خداوندی خیال کرنا اور حقوق کی برابر تقسیم کو رحمٰن بابا بقائے انسان کی ضمانت قرار دیتے ہیں۔

درج ذیل شعر ملاحظہ ہو، جس میں وہ انسانی حقوق کو عدم مساوات پر مبنی تقسیم کو کس حقارت کی نظر سے دیکھ رہے ہیں:

خہ خواڑۂ چے یوئی خوری بل ورتہ گورئی
خواڑہ نہ دی ہغہ زہر دِ گویا

”تو من و سلوی اڑائے دوسرا تکتا رہے
ایسا کھانا زہر ہے ، منہ پھیر لے اور ہاتھ اٹھا“(۸)

رحمٰن بابا کی شاعری میں مذکورہ خیالات ترقی پسند تصورِ حیات کی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ انسانی حقوق کی آواز جو ہر عہد میں مساوات انسانی کے داعی اٹھاتے رہے ہیں۔ رحمٰن بابا کی شاعری میں اُس کا آہنگ نہ صرف موجود ہے بلکہ ایک بھرپور صورت کے ساتھ سنائی دیتا ہے اور ان کا تعلق اہل دانش و نگارش کے اس قبیلے سے بہت مضبوط نظر آتا ہے، جس کی اقدار میں انسان اور انسانیت سے محبت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ بقول فارغ بخاری اور رضا ہمدانی:

> ''وہ فن کار جو میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے کے داعی ہیں۔ وہ شیکسپیئر ہو، سقراط ہو، ٹیگور ہو، ناظم حکمت ہو، لینن ہو، ماؤ ہو، غالب ہو، اقبال ہو، وارث شاہ ہو، بابا فرید ہو، سچل سرمست ہو یا رحمٰن بابا۔ اُن کے اپنے اپنے لہجے میں ایک ہی نغمے کی گونج سنائی دیتی ہے۔ ایک ہی درد کی لہریں محسوس ہوتی ہیں۔ ایک ہی آواز کا زیر و بم نظر آتا ہے اس لیے کہ سچائی کے ان تمام ستونوں کا منبع ایک ہے۔ راستی کے اس جذبے کا خاندان ایک ہے ذات ایک ہے، خون ایک ہے، احساس ایک ہے اور وہ آفاقی سوچ ہے۔ عالمگیر سوچ ہے، انسانی سوچ ہے۔''(۹)

رحمٰن بابا کے ہاں مذکورہ عالم گیر فکر کے مظاہر کئی ایک دلچسپ اور حیران کن پیرایوں میں ظاہر ہوئے ہیں۔ اُن کے بعض اشعار میں انسانی مساوات کا پیغام یکسانیت سے کہیں آگے یکجانیت کا مظہر بن جاتا ہے۔ مثلاً یہ شعر ملاحظہ ہو جس میں رحمٰن بابا دوسرے کے وجود، دوسرے وجود میں نہیں بلکہ اپنے ہی باطن میں دیکھتے ہیں:

واڑہ دخپل ضان پہ نظر گورہ کہ دانائے
اے عبدالرحمٰن! جہان ٹول عبدالرحمٰن دے

''تیری ہی طرح سارے رحمٰن کے بندے ہیں
رحمٰن ہر اک بندہ یک رنگ ہے، یکساں ہے''(۱۰)

اس شعر میں رحمٰن بابا نے عبدالرحمٰن کے اسم کی معنویت کو جس وسعت معنوم کے ساتھ برتا ہے، شعری اظہار کے قرینوں سے واقف اہل دانش اسے خوب سمجھ سکتے ہیں۔

تمام جہان کو عبد الرحمٰن کہہ کر انھوں نے اپنے باطن میں تمام بنی نوعِ انسان دیکھتے ہوئے انھیں اپنے وجود سے الگ محسوس نہیں کیا اور دوسرا اپنے نام کی معنویت کی نسبت سے تمام انسانوں کو رحمٰن کے بندے قرار دیا۔

مذکورہ شعر کی فکری گہرائی کو سمجھا جائے تو رحمٰن بابا کے بارے میں ایک اور سطح میں یہ قضیہ حل ہو جاتا ہے کہ وہ وحدت الوجودی ہیں یا نہیں۔ یہ شعر ظاہر کرتا ہے کہ وہ وحدت الوجودی ہیں بشرطیکہ یہاں صوفیانہ مفہوم میں وجود سے مراد وجودِ ذاتِ رحمٰن نہ لیا جائے بلکہ وجود ذاتِ عبد الرحمٰن لیا جائے کہ وہ کل جہان کو عبد الرحمٰن یعنی تمام انسانوں کو ایک جان قرار دیتے ہیں۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ حمزہ شنواری، دیباچہ ”رحمٰن بابا تاریخی، علمی ادب حاج“ از دوست محمد کامل مومند، ادارہ اشاعت سرحد، پشاور ۱۹۵۸، ص:۴

۲۔ راج ولی شاہ خٹک، مضمون ”رحمٰن بابا اور تصوف“، خیابان، شعبہ اردو، جامعہ پشاور، بہار ۲۰۰۶، ص:۳۲۳

۳۔ رحمٰن بابا، کلیاتِ رحمٰن بابا، اردو ترجمہ، پروفیسر طٰہٰ خان، پشتو اکیڈمی، پشاور، ۲۰۰۶ء، ۳۰۵

۴۔ ایضاً، ص ۴۶۶

۵۔ ایضاً، ص ۲۳

۶۔ اباسین یوسفزئی، دیباچہ ”متاعِ فقیر“ (رحمٰن بابا کے منتخب کلام کا اردو ترجمہ از پروفیسر محمد طٰہٰ خان) خیبر لٹریری کلب، پشاور یونیورسٹی، ۲۰۰۳ء، ص:۷

۷۔ کلیاتِ رحمٰن بابا، ص ۱۳۶

۸۔ ایضاً، ص ۲۶

۹۔ فارغ بخاری، رضا ہمدانی، ”رحمٰن بابا“، لوک ورثہ، اسلام آباد ۱۹۷۷، ص:۱۷

۱۰۔ کلیاتِ رحمٰن بابا، ۶۰۵

نوٹ: اس مقالے کی تیاری میں پشتو زبان وادب کے ممتاز محقق اور استاد ڈاکٹر حنیف خلیل نے علمی معاونت فراہم کی جس کے لیے راقم ان کا ممنون ہے اور مقالے میں درج کیے گئے اشعار کا اردو ترجمہ پروفیسر طہٰ خان نے کیا ہے۔ پشتو اشعار بھی کلیاتِ رحمٰن بابا کے اسی ترجمہ شدہ نسخے سے ماخوذ ہیں۔